پروفیسر اختر راہی

برصغیر پاک و ہند میں مطالعۂ بو علی سینا

شیخ الرئیس ابو علی الحسین بن عبداللہ بن الحسن بن علی بن سینا (۳۷۰ھ - ۴۲۸ھ) وہ نابغۂ آفاق تھا جس نے علم و فن کے مختلف دائروں میں انمٹ نقوش یادگار چھوڑے ہیں۔ وہ فلسفی تھا، طبیب تھا، شاعر تھا اور اس پر مستزاد ایک معاملہ فہم مدبر اور مفکر تھا۔ بو علی نے عہد جوانی کے آغاز میں قلم و قرطاس سے جو ربط قائم کیا تھا وہ اس کی زندگی کے آخری دنوں تک استوار رہا، حتیٰ کہ اس نے اپنی زندگی کے پُرآشوب دور میں بھی تصنیف و تالیف کا مشغلہ جاری رکھا۔ یہی سبب ہے کہ بو علی سینا کی قلمی کاوشوں میں ایک سو سے زائد چھوٹی بڑی کتابیں ملتی ہیں[1]۔ ان میں سے چند ایک فارسی میں ہیں اور باقی عربی میں۔ بو علی سینا نے نثر کے علاوہ، بعض رسائل کے لیے نظم کا پیرایہ اختیار کیا ہے۔

بو علی سینا کے افکار برصغیر میں کب پہنچے؟ اس سوال کے جواب کی خاطر ہمیں اسماعیلی تحریک پر ایک نظر ڈال لینی چاہیے۔ یہ تحریک جس سے بو علی سینا کا ایک تعلق تھا، تیسری صدی ہجری کے سرے پر شروع ہوئی۔ گو اس تحریک کے مقاصد سیاسی تھے مگر تحریک کے بانیوں نے اپنی آئیڈیالوجی، فلسفے پر استوار کی۔ چنانچہ اسماعیلی داعی علوم عقلیہ خصوصاً فلسفہ اور ریاضی سے ایک گونہ واقفیت رکھتے تھے۔ ابن ندیم (۳۸۵ھ) نے اس تحریک کے مؤرخ ابو عبداللہ بن رزام کے حوالے سے جو کچھ لکھا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسماعیلی داعی روئے زمین کی سیاحت کرتے تھے اور تھوڑی بہت ریاضی، نجوم اور فلسفہ سے واقفیت رکھتے تھے[2]۔

---

[1] فہرست تصنیفات کے لیے دیکھیے: ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا۔ جشن نامہ ابن سینا مجلد اوّل (تہران: انجمن آثار ملی (۱۳۷۱ھ)) - ۵۵ - ۱۰۷

[2] ابن ندیم - الفہرست (ترجمہ محمد اسحاق بھٹی) (لاہور: ادارۂ ثقافت اسلامیہ (۱۹۶۹ء)) ص ۴۳۸-۷

اس تحریک کے بانی خود فلسفہ و منطق اور ہندسہ و نجوم کے عالم تھے۔ عبداللہ بن میمون القداح اور محمد بن الحسین زیدان کے بارے میں یہ معلوم ہے کہ وہ ان علوم سے شناسائی رکھتے تھے۔ اس طرح اسماعیلی تحریک علوم عقلیہ خصوصاً فلسفہ کی تحریک کا باعث بنی۔ بوعلی سینا کا والد اس تحریک سے وابستہ تھا۔

بہرحال یہ واضح ہے کہ اسماعیلی تحریک کے داعی فلسفی تھے اور وہ دنیائے اسلام میں گھوم پھر کر اپنے نقطۂ نظر کی تبلیغ و تلقین کرتے تھے۔ چوتھی صدی ہجری کے ابتدا میں سندھ و ملتان میں اسماعیلی داعی آنے لگے تھے اور ۳۷۵ھ سے کچھ پہلے یہاں اسماعیلی (قرمطی) حکومت وجود میں آگئی تھی۔

اُدھر ۳۸۷ھ میں محمود غزنوی خراسان میں برسرِ اقتدار آیا جو اس تحریک کا شدید مخالف تھا۔ محمود غزنوی نے ۴۰۱ھ میں ملتان پر حملہ کیا اور اسماعیلی حکومت ختم کر دی۔ یہاں سے اسماعیلی منصورہ (سندھ) پہنچے اور اپنے قدم جما لیے، مگر ۴۱۷ھ میں محمود نے والیِ منصورہ کو شکست دے کر سندھ فتح کر لیا۔ تاہم ان شکستوں سے ملتان و سندھ میں اسماعیلی تحریک ختم نہیں ہوگئی تھی۔ جب پانچویں صدی کے آخر میں غزنوی سلطنت کمزور ہوئی تو اسماعیلیوں (قرامطیوں) نے دوبارہ ملتان پر قبضہ کر لیا۔ ۵۷۰ھ میں محمد غوری نے ایک بار پھر ان سے ملتان چھین لیا لیکن وہ بھی اس تحریک کا کامل استیصال نہیں کر سکا اور اسی تحریک کے ایک فدائی کے ہاتھوں دھمیک (جہلم) میں ۶۰۲ھ میں قتل ہوگیا تھا۔ اس کے بعد اسماعیلی داعیوں کی علمی اور فکری سرگرمیاں دہلی تک پہنچ گئی تھیں۔

قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ان ہی اسماعیلی داعیوں کے توسط سے بوعلی سینا کی تحریریں اور فکر برصغیر پہنچی ہوگی۔

بوعلی سینا کے شاگردوں میں بہمن یار نمایاں ہے اور اس کا شاگرد ابوالعباس اللوکری تھا۔ ابوالعباس نے خراسان میں فلسفہ کی اشاعت کی۔ اس دور کے برصغیر کی علمی و فکری زندگی پر کوئی کتاب دستیاب نہیں ہے جس سے یہاں کی علمی کاوشوں پر روشنی پڑتی، تاہم عوفی نے ساتویں صدی ہجری نے لباب الالباب میں ایک کاتب "یوسف بن محمد دربندی" کا ذکر کیا ہے جو "جمال الفلسفہ" کہلاتا تھا۔ اس روایت سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ لاہور میں اور بھی فلاسفہ ہوں گے اور یوسف بن محمد دربندی ان میں سرآمدِ روزگار تھا۔[۱۵]

---

[۱۵] شبیر احمد خاں غوری - "اسلامی ہند کے نصف اوّل میں علوم عقلیہ کا رواج" مندرجہ ماہنامہ معارف (اعظم گڑھ) بابت فروری ۱۹۶۳ء - ص ۱۱۲

آج کے برصغیر میں تعلیم فلسفہ کے دو معروف مکاتبِ فکر ہیں اور ان دونوں کا سلسلۂ اسناد شیخ الرئیس بو علی سینا پر منتہی ہوتا ہے۔

ایک سلسلہ شاہ ولی اللہ (م ۱۱۷۶ھ) کا ہے۔ وہ اپنے سلسلۂ اسناد کے بارے میں رقم طراز ہیں :

"فقیر ولی اللہ بن عبد الرحیم، این بندہ فن دانش مندی از والد جود کسب نمودہ وایشان از میر محمد زاہد بن قاضی اسلم ہروی وایشان از ملا محمد فاضل وایشان از ملا یوسف قرا باغی وایشان از میرزا جان، وایشان از ملا محمود شیرازی وایشان از ملا جلال الدین دوانی"[۴]

شاہ ولی اللہ کے صاحب زادے شاہ عبد العزیز محدث دہلوی (م ۱۲۳۹ھ) کے توسط سے جو سلسلۂ سند چلا، اس میں مفتی لطف اللہ علی گڑھی (م ۱۳۳۴ھ) کا نام نمایاں ہے جو ماضی قریب میں معروف معقولی عالم تھے۔[۵]

معقولات کا دوسرا سلسلہ مولانا فضل امام خیر آبادی (م ۱۲۴۴ھ) مؤلف "مرقات" کا ہے۔ جن کے بیٹے اور شاگرد مولانا فضلِ حق خیر آبادی سے برصغیر میں علوم عقلیہ کی خوب اشاعت ہوئی۔ مولانا فضل امام خیر آبادی شاگرد تھے عبد الواجد خیر آبادی کے۔ وہ شاگرد تھے ملا محمد اعلم سندیلوی کے اور ملا محمد اعلم سندیلوی نے کسبِ فیض کیا تھا ملا کمال الدین سہالوی سے، جو ملا نظام الدین سہالوی کے شاگرد تھے۔

ملا نظام الدین سہالوی (م ۱۱۶۱ھ) کا سلسلۂ سند یوں ہے: وہ شاگرد تھے اپنے والد قطب الدین شہید سہالوی کے، جو شاگرد تھے ملا دانیال چوراسی کے۔ ملا دانیال چوراسی نے ملا عبد السلام ساکن دیوہ سے اکتساب فیض کیا تھا اور ملا عبد السلام (دیوہ) نے عبد السلام لاہوری کے سامنے زانوئے

---

[۴] شاہ ولی اللہ۔ رسالہ دانش مندی مطبوعہ مع تکمیل الاذہان (مرتبہ: عبد الحمید سواتی) [گوجرانوالہ: ادارۂ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم (س-ن)] ص ۷۹؛

[۵] سوانح و خدمات کے لیے دیکھیے: حبیب الرحمن خاں شروانی۔۔ استاذ العلما۔ مندرجہ ماہنامہ "معارف" (اعظم گڑھ) بابت اپریل ۱۹۳۳ء۔ ص ۲۴۵ - ۲۷۳

تلمذ تہہ کیا تھا۔ عبدالسلام لاہوری شاگرد تھے امیر فتح اللہ شیرازی کے اور فتح اللہ شیرازی کے اساتذہ میں خواجہ جمال الدین محمود کا نام شامل ہے۔

دوسرے لفظوں میں شاہ ولی اللہ کا سلسلۂ سند پانچ واسطوں سے اور مولانا فضل امام خیرآبادی کا نو واسطوں سے جمال الدین محمود پر ایک ہو جاتا ہے۔ جمال الدین محمود، ملا جلال الدین دوانی کے شاگرد تھے۔ دوانی کا سلسلہ مولانا محی الدین کوشکناری یا خواجہ حسن شاہ بقال، میر سید شریف، شمس الدین محمد بن مبارک شاہ، قطب الدین رازی، قطب الدین شیرازی، محقق نصیر الدین طوسی، فرید الدین داماد، سید صدر الدین سرخسی، افضل الدین گیلانی، ابو العباس اللوکری، بہمن یار کے توسط سے بوعلی سینا پر منتہی ہوتا ہے۔[1]

اس گفتگو سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں مسلم فلسفے کا بمشکل کوئی ایسا عالم ہوگا جو بالواسطہ طور پر شیخ الرئیس بوعلی سینا کا شاگرد نہ ہو۔

شیخ الرئیس بوعلی کی تصنیفات میں "کتاب الشفا" شاہ کار کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں فلسفہ، ریاضی، طبیعات اور منطق کے مباحث شامل ہیں۔ عرصے تک یہ کتاب برصغیر اور ایران میں فلسفے کے اعلیٰ نصاب میں شامل رہی ہے اور اہلِ علم نے درس و تدریس کے ساتھ تشریح و تحشیہ کی صورت میں اس سے اعتنا کیا۔ شیخ علی حزیں (م ۱۱۸۱ھ) نے اس کے ایک حصے پر حاشیہ لکھا۔[2] مولانا فضل حق خیرآبادی نے کتاب الشفا کی تلخیص کی اور اپنی تلخیص پر حاشیہ تحریر کیا۔[3] ان کے علاوہ طبیعات کی بحث پر سید امیر حسن حسینی سہسوانی اور مفتی محمد یوسف بن محمد اصغر لکھنوی نے حواشی تحریر کیے ہیں۔[4]

---

[1] تفصیلی بحث کے لیے دیکھیے، شبیر احمد خان غوری۔ "شیخ بوعلی سینا کی عبقریت" مندرجہ ماہنامہ "معارف" (اعظم گڑھ) بابت مئی ۱۹۶۱ء۔ ص ۳۷۷-۳۷۹

[2] شیخ علی حزیں نے اپنے تذکرہ میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔

[3] اختر راہی ۔ تذکرہ مصنفین درس نظامی [لاہور: مکتبہ رحمانیہ (۱۹۷۸ء)] - ص ۲۰۳

[4] سید عبدالحی رائے بریلوی ۔ الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند (ترجمہ ابو العرفان ندوی) [اعظم گڑھ: دار المصنفین (۱۹۶۹ء)] - ص ۲۳۳

فلسفیانہ مباحث پر مبنی "الاشارات والتنبیہات" کے ساتھ بھی غیر معمولی لگاؤ کا ثبوت دیا گیا ہے۔ اکثر مسلم فلاسفہ نے اس کی شرحیں لکھی ہیں۔ جن میں امام رازی، محقق نصیر الدین طوسی، سراج الدین ارموی، رفیع الدین جیلی اور ابن الکمونہ کی شرحیں زیادہ معروف ہیں۔ ان میں سے امام رازی اور محقق طوسی کی شرحوں کو خاص طور پر شہرت حاصل ہے جو دو مختلف نقطہ ہائے نظر کی حیثیت رکھتی ہیں اور ان کے درمیان قطب الدین شیرازی نے "محاکمات" کے نام سے محاکمہ لکھا تھا۔ یہ اور اس سلسلے کی اکثر کتابیں علمائے برصغیر کے زیر مطالعہ رہی ہیں۔

شیخ الرئیس کی کتابوں کی شرحوں اور حواشی سے قطع نظر فلسفہ و طبیعات پر برصغیر میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں سے کئی ایک بوعلی سینا کے افکار پر مبنی ہیں یا ان میں فکر بوعلی پر بحث کی گئی ہے۔ مُلّا محمود جون پوری (م ۱۰۶۲ھ) کی "شمس البازغہ" جو آج بھی مدارس عربیہ کے نصاب میں داخل ہے، بوعلی سینا ہی کے فکری نظام پر مبنی ہے۔ اس سلسلے میں ملا عبدالحکیم سیالکوٹی (م ۱۰۶۷ھ) کے الرسالۃ الخاقانیہ (الدرۃ الثمینہ فی علم الواجب تعالیٰ) کا ذکر ضروری ہے۔ اس رسالے کی تصنیف کا پس منظر یہ تھا کہ ایران کے شاہ عباس دوم کی تخت نشینی پر ہدیۂ تہنیت پیش کرنے کی خاطر شاہ جہان نے ۱۰۵۶ھ میں ایک وفد ایران بھیجا۔ اس سفارتی وفد میں محمد فاروق مشرف اور محب علی واقعہ نویس بھی شامل تھے۔ ان حضرات کو اپنی فلسفہ دانی پر غرہ تھا اور وزیر اعظم خلیفہ سلطان اعتماد الدولہ سے الجھ گئے۔ وزیر نے ان سے پوچھا کہ امام غزالی (م ۵۰۵ھ) نے جن تین مسائل (قدم عالم، باری تعالیٰ کے علم بہ جزئیات حادثہ کا انکار اور معاد جسمانی کا انکار) میں فارابی اور بوعلی سینا کی تکفیر کی ہے۔ اس کے متعلق اُن کی رائے کیا ہے؟ محمد فاروق مشرف اور محب علی کوئی جواب نہ دے سکے، چنانچہ وفد کی واپسی پر یہ صورتِ حال نواب سعد اللہ خان (م ۱۰۶۶ھ) کو معلوم ہوئی تو انھوں نے مُلّا عبدالحکیم سیالکوٹی سے استدعا کی کہ وہ ان مسائل پر سیر حاصل بحث کریں۔ اس طرح مولانا سیالکوٹی نے الرسالۃ الخاقانیہ یا الدرۃ الثمینہ فی علم الواجب تعالیٰ (تالیف ۱۰۵۷ھ) لکھا۔ حسب فرمائش رسالے میں تین مباحث پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ (۱) علم باری تعالیٰ (۲) حشر جسمانی و روحانی (۳) قدم و حدوثِ عالم۔ رسالے کا زیادہ حصہ "علم باری" پر ہے۔ آخری چند صفحات میں باقی دو مباحث پر گفتگو کی گئی ہے۔

بہر حال برصغیر کے مسلم فلسفہ کی نمائندہ تالیف "الرسالۃ الخاقانیہ" ایک لحاظ سے شیخ الرئیس کے افکار و خیالات سے متعلق ہے۔[10]

شاہ ولی اللہ دہلوی کے بھائی شاہ اہل اللہ (م ۱۱۸۶ھ) کی عربی نظم "القطعۃ علی النفس بجواب ابی علی سینا" کا ذکر بھی ضروری ہے جو انھوں نے بوعلی سینا کے جواب میں کہی ہے۔ یہ نظم خاصی خوب صورت اور عمدہ ہے۔[11]

ماضی قریب میں قدیم طرز فکر کے علما میں مولانا رحمت علی خان ساقی (م ۱۳۸۵ھ) اور مولانا اصغر علی روحی (م ۱۳۷۳ھ) نے "الاشارات" پر توجہ مرکوز کی۔ اول الذکر (مولانا ساقی) نے تلخیص شروع کی تھی جو مکمل نہ ہو سکی[12] البتہ مولانا روحی کی اردو شرح تجلیات کے نام سے شائع ہوئی[13]

جدید تعلیم یافتہ گروہ میں سے علامہ اقبال نے The Development of Metaphysics in Persia میں شیخ الرئیس کی الٰہیات پر قلم اٹھایا ہے۔ ان کے مطالعہ کے مطابق "ایران کے ابتدائی مفکرین میں صرف ابن سینا ہی ایسا شخص ہے جس نے خود اپنا ایک علیحدہ نظام فکر تعمیر کرنے کی کوشش کی"[14] علامہ اقبال نے ابن سینا کو "نو فلاطونی" قرار دیا ہے۔ ان کی اس

---

[10] الرسالۃ الخاقانیہ (الدرۃ الثمینہ) کے لیے دیکھیے: امین اللہ وثیر — مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی۔ مندرجہ ماہنامہ "ثقافت" (لاہور) بابت جون ۱۹۶۷ء ص ۳۲۵۔
شبیر احمد خان غوری — الدرۃ الثمینہ۔ مندرجہ ماہنامہ "معارف" (اعظم گڑھ) بابت ستمبر ۱۹۶۷ء، جون ۱۹۶۸ء، جولائی ۱۹۶۸ء، اگست ۱۹۶۸ء

[11] ڈاکٹر زبید احمد — Contribution of Indo-Pak to Arabic Literature [لاہور: شیخ محمد اشرف (۱۹۵۰ء)] - ص ۲۴۸

[12] اختر راہی — تذکرہ علمائے پنجاب حصہ اول [لاہور: مکتبہ رحمانیہ (۱۹۸۱ء)] ص ۱۹۶

[13] اختر راہی — حوالہ مذکورہ - ص ۱۱۵

[14] محمد اقبال — The Development of Metaphysics in Persia. فلسفۂ عجم (اردو ترجمہ از میر حسن الدین) [کراچی: نفیس اکیڈمی (۱۹۶۲ء)] - ص ۶۱

رائے سے میاں محمد شریف اور بعض دوسرے اہلِ فکر نے اختلاف کیا ہے[150]۔ یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ یہ کتاب اقبال کی ابتدائی کاوشوں (تالیف ۱۹۰۷ء) میں سے ہے اور خود اقبال اس کے مباحث میں ردو بدل ضروری خیال کرتے تھے[151]۔

شیخ الرئیس بوعلی سینا فنِ طب کا امام تھا۔ اس کی تصنیف "قانون" فنِ طب کا دائرۃ المعارف ہے اور اپنی جامعیت کے سبب مشرق و مغرب کی طبی درس گاہوں کے نصاب میں شامل رہی ہے۔ اسلامی مشرق میں تو طب اور قانون دو مترادف الفاظ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کثرت سے قانون کی شرحیں، حاشیے اور ملخصات تیار کیے گئے۔ عالمِ اسلام کے دوسرے خطوں کی طرح برصغیر کے اہلِ علم نے بھی اپنا حصہ ادا کیا ہے۔

بعض تذکرہ نگاروں نے عہدِ اکبر (۹۶۳ھ۔ ۱۰۱۴ھ) کے معروف فلسفی اور عالم امیر فتح اللہ شیرازی (م ۹۹۷ھ) کے ذکر میں ان کے فارسی ترجمۂ قانون کا ذکر کیا ہے[152] مگر اس کا کوئی نسخہ معروف کتب خانوں میں موجود نہیں۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے ان کے ہم نام فتح اللہ گیلانی کی شرح قانون کا ذکر کیا ہے[153]۔ یہ

---

[150] میاں محمد شریف۔ دیباچہ The Development of Metaphysics in Persia [لاہور: بزمِ اقبال (۱۹۶۴ء)]۔ ص ۱

[151] محمد اقبال۔ مکتوب بنام میر حسن الدین مشمولہ انوارِ اقبال (مرتبہ: بشیر احمد ڈار) [کراچی: اقبال اکیڈمی پاکستان (۱۹۶۷ء)]: ص ۱:۲، ۲۰۲

[152] حکیم نیر واسطی۔ تاریخ روابطِ پزشکی ایران و پاکستان [راولپنڈی: مرکزِ تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان (۱۹۷۶ء)]۔ ص ۹۳۔ "فتح اللہ شیرازی خلاصۃ المنہج و تاریخ الفی و غیرہ تالیف نمود۔ یکی از نادر ترین تالیفاتِ او ترجمہ کلیاتِ قانون ابن سینا است کہ در ۱۰۰۲ھ در لاہور بفارسی تحریر نمود۔" حکیم صاحب نے اس اقتباس میں فتح اللہ شیرازی کی جو کتابیں گنائی ہیں، ان میں سے خلاصۃ المنہج، فتح اللہ کاشانی (م ۹۸۸ھ) کی تالیف ہے اور ترجمہ قانون ان کا اس لیے نہیں ہو سکا کہ اس کے سالِ تالیف سے پانچ سال پہلے فتح اللہ شیرازی کا انتقال ہو چکا تھا۔

[153] عبدالقادر بدایونی — منتخب التواریخ (ترجمہ محمود احمد فاروقی) [لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز (۱۹۶۲ء)]۔ ص ۲۳

شرح بھی ناپید ہے تاہم دستیاب تراجم قانون میں فتح اللہ بن فخرالدین شیرازی کا ترجمہ ملتا ہے۔ یہ ترجمہ ۱۰۰۲ھ میں لاہور میں ہوا تھا۔[۱۹]

عہد اکبر کے ایک طبیب اور ریاضی دان حکیم علی گیلانی (م ۱۰۱۸ھ) نے قانون کی مبسوط شرح (عربی) لکھی جو چار ضخیم مجلدات پر محیط ہے۔ شارح قانون علاءالدین ابوالحسن قرشی نے اپنی شرح میں شیخ الرئیس سے اختلاف کیا اور بعض اوقات اعتراضات کیے ہیں۔ حکیم علی گیلانی نے یہ اعتراضات رفع کرنے کی کوشش کی ہے۔ استناد کے اعتبار سے حکیم علی گیلانی کی شرح، قرشی کے ہم پایہ خیال کی جاتی ہے۔

بارھویں صدی ہجری کے ایک عالم اسحاق خان بن اسماعیل خان دہلوی نے قانون کے ایک حصہ "حمیات" (فن اول: کتاب ۴) سے متعلق شرح گیلانی کا اختصار "غایۃ الفہوم فی تدبیر المحموم" (عربی) کے نام سے کیا۔[۲۰]

شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی (م ۱۱۴۲ھ) مشہور چشتی صوفی ہیں اور ان کی شہرت کشکول کلیمی، سواء السبیل اور مرقع جیسی عرفانی کتب پر ہے۔ مگر ان سے فارسی زبان میں قانون کی شرح بھی یادگار ہے۔[۲۱]

قانون کی ایک اور شرح حکیم شفائی خان بن عبدالشافی خان کی کاوش ہے۔ حکیم شفائی خان، آصف الدولہ نواب اودھ کے عہد (۱۱۸۱ھ - ۱۲۱۲ھ) کے نامور طبیب تھے اور مسیح الملک کے لقب سے معروف تھے۔ آصف الدولہ کے بعد نواب سعادت علی خان کے دربار سے منسلک رہے۔

---

۱۹ حسب ذیل خطی نسخے معلوم ہیں:

نسخہ مملوکہ مرزا سیف الرحمٰن (گجرات) بہ حوالہ پروفیسر محمد اسلم - سرمایۂ عمر [لاہور: ادارہ ندوۃ المصنفین (۱۹۷۶ء)]۔ ص ۲۳

نسخہ ذخیرہ شیرانی۔ دانش گاہ پنجاب لاہور۔ بحوالہ محمد بشیر حسین۔ فہرست مخطوطات شیرانی جلد دوم [لاہور: ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان (۱۹۶۹ء)]

۲۰ ڈاکٹر زبید احمد - حوالہ مذکورہ

۲۱ فہرست کتب خانہ رام پور۔ بہ حوالہ خلیق احمد نظامی۔ تاریخ مشائخ چشت [اسلام آباد: دارالمؤلفین (س۔ان)]۔ ص ۳۶۰ - دہلی (۱۹۳۷ء)

حکیم محمد شریف خان (م ۱۲۲۲ھ) نے "حمیاتِ قانون" کی شرح لکھی[22]۔ احمد الدین لاہوری نے کشف الرموز (فارسی) کے نام سے شرح تحریر کی[23]۔ قانون کا ایک حاشیہ محی الدین بدایونی (م ۱۲۷۰ھ) سے یادگار ہے[24]۔

قانون کے کئی اختصارات بھی کیے گئے ہیں لیکن ان میں سے قبولِ عام کا شرف "موجز" اور "قانونچہ" کو حاصل ہوا۔ یہ دونوں اختصارات آج بھی درس و تدریس کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ "موجز" علاء الدین علی بن ابی الحزم قرشی (م ۶۸۷ھ) اور "قانونچہ" محمود بن عمر چغمینی (م ۷۴۵ھ) کا کیا ہوا اختصار ہے۔ ان دو اختصارات پر بھی کئی اہلِ علم نے شرحیں اور حواشی قلم بند کیے ہیں۔

"موجز" کی جن شرحوں کو شہرت حاصل ہوئی۔ ان میں برہان الدین نفیس کی "نفیسی" سرِ فہرست ہے۔ اس کے علاوہ دوسری شرحوں میں جمال الدین اقسرائی (م ۷۷۱ھ) کی "حل الموجز" حکیم سدید الدین گازرونی کی "المغنی" کے نام لیے جا سکتے ہیں۔ حکیم شفائی خان نے "موجز" کی شرح "الفوائد الشفائیہ" کے نام سے لکھی تھی۔ "المغنی" کا فارسی ترجمہ عابد حسین عاصی نے کیا جس کے خطی نسخے ملتے ہیں[25]۔

"نفیسی - شرح موجز القانون" پر برصغیر میں حسبِ ذیل حواشی وجود میں آئے۔

۱۔ حاشیہ نفیسی[26]۔ حکیم محمد ہاشم بن امیر قاسم الحسینی (م ۱۰۶۱ھ)

۲۔ حاشیہ نفیسی[27]۔ حکیم محمد ہاشم بن حکیم محمد حسن بن محمد افضل دہلوی (تالیف ۱۱۸۴ھ)

---

[22] مطبوعہ جمال پریس دہلی (۱۹۳۷ء)

[23] مطبوعہ لاہور (۱۹۰۵ء)

[24] مولوی رحمان علی ــ تذکرہ علمائے ہند (ترجمہ محمد ایوب قادری) [کراچی: پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی (۱۹۶۱ء)] ص ۴۸۰

[25] احمد منزوی ــ فہرست نسخہ ہائے خطی کتاب خانہ گنج بخش۔ اسلام آباد جلد اوّل [اسلام آباد: مرکز تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان (۱۹۷۸ء)]۔ ص ۳۴۷ - ۳۴۸

[26] محمد ظفیر الدین ــ تعارف مخطوطاتِ دیوبند [دیوبند: دارالعلوم (۱۹۷۳ء)]۔ ص ۲۲۰

[27] ایضاً

۳۔ حاشیہ نفیسی[۱۴۸]۔ حکیم احاجب بن صالح خان (م ۱۲۰۰ھ)

۴۔ حاشیہ نفیسی ۔ حکیم محمد شریف خان دہلوی (م ۱۲۲۲ھ)

۵۔ اوراق الرضی ۔ حکیم رضی الدین امروہوی (م ۱۲۳۲ھ)

۶۔ حاشیہ نفیسی۔ حکیم اسد علی بن وجیہ اللہ سہسوانی (م ۱۲۸۴ھ)

۷۔ حل النفیسی ۔ عبدالحلیم انصاری (م ۱۲۸۵ھ)

۸۔ انوار الحواشی[۱۴۹]۔ انور علی لکھنوی

محمود بن عمر چغمینی کے "قانونچہ" پر حسبِ ذیل شروح ملتی ہیں۔

۱۔ مفرح القلوب (فارسی) ۔ حکیم محمد اکبر ارزانی (تالیف: ۱۱۱۲ھ)

۲۔ شرح قانونچہ ۔ سید عبدالفتاح لاہجی (تالیف: ۹۳۹ھ)

۳۔ تحفۃ الغریب وتحفۃ الطبیب[۱۵۰] شیخ محمد مومن

فارسی وعربی کے ساتھ اردو زبان میں بھی "قانون" اور اس سے متعلق کتابوں کے ترجمے، شرحیں اور حواشی لکھے گئے ہیں۔ ان میں سے اکثر طبع ہو کر اہلِ ضرورت تک پہنچ چکے ہیں۔ حکیم غلام حسنین کنتوری نے "قانون" اور "موجز القانون" کے ترجمے کیے۔ کلیاتِ قانون کا ترجمہ اور شرح حکیم محمد کبیر الدین سے بھی یادگار ہے۔ حکیم محمد ایوب اسرائیلی نے دو جلدوں میں اقسرائی کو اردو کا جامہ پہنایا ہے۔ حکیم محمد امین استاد طبیہ کالج دہلی نے نفیسی کا ترجمہ کیا اور حکیم عابد حسین لکھنوی نے سدیدی (المغنی) کا ترجمہ کیا ہے۔

بوعلی سینا سے یادگار "الاجوزہ فی الطب" کی اردو شرح "الجواہر النفیس" ابوعبدالعزیز محمد بٹالوی نے لکھی ہے۔ اسی طرح ادویۃ القلبیہ کا ترجمہ حکیم عبداللطیف نے کیا ہے۔

متذکرۃ الصدر شروح و حواشی اور تلخیصات کے علاوہ برصغیر میں فنِ طب میں جو مستقل بالذات

---

۱۴۸ ڈاکٹر زبید احمد۔ حوالہ مذکورہ

۱۴۹ نمبر ۴ تا ۸ حواشی کے لیے۔ حکیم سید عبدالحی۔ حوالہ مذکورہ۔ ص ۳۴۳

۱۵۰ سید عبدالحی رائے بریلوی ۔ نزہت الخواطر جلد ششم (حیدر آباد : دائرۃ المعارف النعمانیہ ۱۹۶۲ء) ص ۳۵۶

کتب لکھی گئی ہیں ، ان کے ماخذوں میں بوعلی سینا کی کتب کو بنیادی حیثیت حاصل ہے ۔ حکیم محمد اکبر ارزانی اور حکیم اعظم خان نے اپنی تحریروں میں بوعلی سینا سے بھرپور اکتسابِ فیض کیا ہے ۔

برصغیر میں مطالعۂ بوعلی سینا کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ یہاں کے کتب خانوں میں بوعلی سینا کی تصنیفات کے بیسیوں خطی نسخے ملتے ہیں ، جن میں سے بعض چھٹی اور ساتویں صدی ہجری کے مکتوبہ ہیں ۔ بعض نسخے تو نوادر میں شمار کیے جا سکتے ہیں ۔ برصغیر میں بوعلی سینا کی بعض کتابیں چھپی ہیں ۔ ان کی تفصیلات "معجم المطبوعات"، "فہرست کتبِ چاپی فارسی" اور "جشن نامہ ابن سینا" میں دیکھی جا سکتی ہے ۔

الفہرست : محمد بن اسحاق ابن ندیم وراق

اردو ترجمہ : محمد اسحاق بھٹی

یہ کتاب چوتھی صدی ہجری تک کے علوم و فنون ، سیر و رجال اور کتب و مصنفین کی مستند تاریخ ہے ۔ اس میں یہود و نصاریٰ کی کتابوں ، قرآن مجید ، نزولِ قرآن ، جمع قرآن اور قرائے کرام ، فصاحت و بلاغت ، ادب و انشا اور اس کے مختلف مکاتبِ فکر ، حدیث و فقہ اور اس کے تمام مدارسِ فکر ، علمِ نحو ، منطق و فلسفہ ، ریاضی و حساب ، سحر و شعبدہ بازی ، طب اور صنعتِ کیمیا وغیرہ تمام علوم ، ان کے علما و ماہرین اور اس سلسلے کی تصنیفات کے بارے میں اہم تفصیلات بیان کی گئی ہیں ۔ علاوہ ازیں واضح کیا گیا ہے کہ یہ علوم کب اور کیوں کر عالمِ وجود میں آئے ۔ پھر ہندوستان اور چین وغیرہ میں اس وقت جو مذاہب رائج تھے ، ان کی وضاحت کی گئی ہے ۔ نیز بتایا گیا ہے کہ اس دور میں دنیا کے کس کس خطے میں کیا کیا زبانیں رائج اور بولی جاتی تھیں اور ان کی تحریر و کتابت کے کیا اسلوب تھے ۔ ان کی ابتدا کس طرح ہوئی اور وہ ترقی و ارتقا کی کن کن منازل سے گزریں ۔ ان زبانوں کی کتابت کے نمونے بھی دیے گئے ہیں ــــ ترجمہ اصل عربی کتاب کے کئی مطبوعہ نسخے سامنے رکھ کر کیا گیا ہے اور جگہ جگہ ضروری حواشی بھی دیے گئے ہیں جس سے کتاب کی افادیت بہت بڑھ گئی ہے ۔

صفحات ۹۴۶ مع اشاریہ   قیمت ــ ۴۰ روپے

ملنے کا پتا : ادارہ ثقافتِ اسلامیہ ، کلب روڈ ، لاہور

حیاتِ غالب : ڈاکٹر شیخ محمد اکرام

غالب کو ہمارے ادب میں ایک مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ جدید اردو نثر نے ان کے گھر میں آنکھ کھولی اور قدیم اردو شاعری بھی اسی گہوارے میں پل بڑھ کر جوان ہوئی ـــــ غالب کا ادبی مرتبہ بہت بلند ہے۔ وہ ہمارے ادب میں قدیم و جدید کے درمیان ایک سنگم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ زیرِ نظر کتاب اسی مایہ ناز شاعر اور جلیل القدر ادیب کی سوانح حیات ہے۔

پہلے یہ کتاب حکیم فرزانہ ہی کا ایک حصہ تھی۔ مگر اب دونوں کو دو مختلف کتابوں میں پیش کیا جاتا ہے۔ حکیم فرزانہ بھی شائع ہو چکی ہے۔

صفحات ۲۴۸ قیمت ـــ ۲۰ روپے

فقہائے پاک و ہند۔ تیرھویں صدی ہجری : محمد اسحاق بھٹی

تیرھویں صدی ہجری کے فقہائے پاک و ہند کی یہ پہلی جلد ہے۔ اس میں برِّ صغیر کے ۱۰۰ فقہا و علما کے حالات و سوانح معرضِ تسوید میں لائے گئے ہیں اور ان کی علمی و فقہی سرگرمیوں کے رخِ روشن کی نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ اس ملک کے سیاسی زوال کا وہ دور ہے جس میں دو آخری مغل بادشاہ باقی رہ گئے ہیں اور وہ بھی برائے نام ـــ! پھر اسی دور میں یہ ملک انگریزوں کے پنجۂ استبداد میں چلا جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں آزادی کی تحریکیں نشو و نما پاتی ہیں۔ ۱۲۷۳ھ (۱۸۵۷ء) سے پہلے سید احمد شہید اور مولانا محمد اسماعیل شہید کی تحریکِ جہاد ارضِ ہند میں ابھرتی ہے۔ پھر ۱۸۵۷ء میں اور اس کے بعد آزادی و حریت کی متعدد کوششیں ایک خاص اسلوب اور تسلسل کے ساتھ سامنے آتی ہیں، جن میں علمائے کرام ہراول دستے کے طور پر نظر آتے ہیں۔ مقدمۂ کتاب میں ان تمام مساعی کا مناسب انداز میں ذکر کیا گیا ہے۔

صفحات : ۳۵۶ قیمت ـــ ۳۵ روپے

ملنے کا پتا : ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور